کیا تعلیمات نبوی ﷺ پر مسیحیت کا اثر ہے؟

از: ڈاکٹر محمد شمیم اختر قاسمی

شعبۂ دینیات، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

حضور اکرم ﷺ کے ذرائع علم کیا تھے؟ خاص طور پر مغرب کے نزدیک یہ مسئلہ ہمیشہ زیر بحث رہا ہے۔ اگر وحی کو ذریعہ ابلاغ تسلیم کر لیا جائے تو سارا مسئلہ ہی ختم ہو جاتا ہے۔ لیکن بنیادی بات یہی ہے کہ محمد ﷺ کو نبی تسلیم نہیں کرنا ہے، اس لیے وحی کے ماننے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ بڑی مشکل سے انہیں بشریت کا مقام دیا گیا تو عیسائی کلیسا کا رکن سمجھا گیا۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ نبی کے معلّمین کارکنان کلیسا تھے ۔ اتفاق سے شام کے تجارتی اسفار کا واقعہ مستشرقین کی نظر سے گزرا، تو پھر ان کے لیے راہبوں کو معلم ثابت کرنے میں کوئی کلام نہیں رہ گیا۔ لیکن دقت یہ تھی کہ مختصر وقت کی ملاقات تعلیم و تعلم کے لیے کافی نہیں۔ لہٰذا اس قسم کے معلّمین کو عرب میں تلاش کیا گیا۔ مستشرقین کی نظر ورقہ بن نوفل پر پڑی۔ بڑے وثوق سے کہا گیا کہ یہی آپ کی تعلیم پر مامور ہوئے۔ ان لوگوں نے معلّمین کی تعداد بڑھانے کی کوشش کی تو یہ بھی کہا کہ زید بن حارثہ چوں کہ ہر وقت آپ کے ساتھ رہتے تھے اور ان کا تعلق عیسائیت سے تھا، اس لیے مذہب کی تشکیل و تفہیم میں ان سے مدد لی ہو گی۔ یہ بھی کہا گیا کہ حضرت بلال حبشی اور ماریہ قبطیہ کا تعلق بھی عیسائیت سے تھا، کوئی بعید نہیں کہ ان لوگوں سے بھی آپ نے عیسائیت سے واقفیت حاصل کی ہو گی۔ ان سارے لوگوں کا معلّمین ہونا مستشرقین نے ناکافی سمجھا تو ان اہل کتاب عالموں کو بھی اس فہرست میں شامل

کر دیا، جو مکہ کے قرب و جوار میں رہتے تھے۔ بیش تر مستشرقین مثلاً : سر ولیم میور، بلاشیر، ڈریپر، باڈلے، فلیپ ایر لنگی اور گولڈ زیہر وغیرہ نے اسی بات پر زور دیا ہے۔ 'ڈریپر' لکھتا ہے:

"بحیرا راہب نے بصری کی خانقاہ میں محمد کو نسطوری عقائد کی تعلیم دی .... آپ کے ناتربیت یافتہ اخّاذ دماغ نے نہ صرف اپنے اتالیق کے مذہبی بلکہ فلسفیانہ خیالات کا گہرا اثر قبول کیا... بعد میں آپ کے طرز عمل سے اس امر کی شہادت ملتی ہے کہ نسطوریوں (عیسائیوں کے ایک فرقہ کا نام ہے) کے مذہبی عقائد نے آپ پر کہاں تک قابو لیا تھا۔ "(۱)

'فلیپ ایر لنگی' اپنے ایک مضمون میں متضاد اور ناقابل تسلیم رائے کا اظہار کرتے ہوئے لکھتا ہے:

" محمد کی مکہ میں اکثر یہودیوں سے ملاقات ہوتی رہتی تھیں... محمد اپنے خادم زید سے جو عیسائیوں کا غلام رہ چکا تھا یہودیوں اور مسیحی مذاہب کے بارے میں استفادہ کی غرض سے سوالات کیا کرتے تھے وہ اپنے خادم سے زیادہ سمجھ دار تھے... مدینہ میں محمد یہودیوں کے شاگرد رہے، یہودیوں ہی نے آپ کی شخصیت سازی کی تھی یہودیوں اور مسیحیوں میں جو داستانیں مشہور تھیں جبرئیل ان سب کو محمد کے سامنے بیان کر دیا کرتے تھے۔ "(۲)

مکہ کے ماحول میں تعلیم کا حصول ممکن نہ تھا:

قریش مکہ کو اپنی زبان دانی پر ضرور ناز تھا۔ مگر ان کے اندر نوشت وخواند سے دل چسپی نہیں تھی۔ یہ صورت اس وقت تک بر قرار رہی جب تک کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت سے سرفراز کیے جانے کے بعد ان لوگوں کے اندر پڑھنے لکھنے کا داعیہ نہ پیدا کر دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ابتدائی حالات سے بھی پتا چلتا ہے کہ آپ کی پرورش جس ماحول اور معاشرہ میں ہوئی اس میں حصول علم کے ذرائع اور مواقع مفقود تھے۔ خاص کر اس بچہ کے لیے جس کے سر سے والدین کا سایہ اٹھ چکا ہو، علم حاصل کرنا بہت مشکل تھا۔ ابو طالب کوئی اتنے بڑے مال دار اور فارغ البال بھی نہ تھے کہ اپنے بچوں سے توجہ ہٹا کر صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم پر توجہ دیتے۔ اس لیے یہ بات سرے سے بے بنیاد ہے کہ آپ نے حصول علم کے لیے معلّمین کے سامنے زانوئے تلمذتہ کیا تھا، جس کے اثرات نبوت کے بعد ظاہر ہوئے، یا اس سے قبل آپ ﷺ نے جس سنجیدگی اور فرزانگی کا مظاہرہ کیا وہ اسی تعلیم و تربیت کا نتیجہ تھا۔ بلکہ آپ کا طریقہ زندگی ٹھیک اسی نہج پر پروان چڑھا جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی۔ وہ کم عمری میں بتوں کے مخالف ہوگئے اور جستجوئے حق میں سرگرداں رہتے۔ (الانبیاء:۵۱-۵۲)

حضور ﷺ کی امیت کے دلائل:

یہ بات تو طے ہے کہ آپ امی تھے۔ قرآن نے بار بار آپ کو اسی لقب سے یاد کیا اور متعارف کرایا ہے ۔ چنانچہ کفار و مشرکین کے شکوک و شبہات کا ازالہ اور ان کے اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے قرآن میں فرمایا گیا ہے:

"فَآمِنُوا بِاللّٰهِ وَرَسُولِهِ النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ الَّذِي يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمَاتِهِ وَاتَّبِعُوهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ"۔

(الاعراف:۱۵۸)

(پس ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے بھیجے ہوئے نبی امی پر جو اللہ اور اس کے ارشادات کو مانتا ہے اور پیروی اختیار کرو اس کی، امید ہے کہ تم راہ راست پالو گے۔)

ایک اور مقام پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو امی محض کے طور پر تعارف کراتے ہوئے اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا:

"وَمَا كُنتَ تَتْلُو مِن قَبْلِهِ مِن كِتَابٍ وَلَا تَخُطُّهُ بِيَمِينِكَ إِذاً لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُونَ"۔

(العنکبوت:۴۸)

(اے نبی) تم اس سے پہلے کوئی کتاب نہیں پڑھتے تھے اور نہ اپنے ہاتھ سے لکھتے تھے، اگر ایسا ہوتا تو باطل پرست لوگ شک میں پڑ جاتے۔

نبی امی کی پیروی کرنے کی تائید کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے :

"وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ هَذَا إِلَّا إِفْكٌ افْتَرَاهُ وَأَعَانَهُ عَلَيْهِ قَوْمٌ آخَرُونَ فَقَدْ جَاؤُوا ظُلْماً وَزُوراً. وَقَالُوا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ اكْتَتَبَهَا فَهِيَ تُمْلَى عَلَيْهِ بُكْرَةً وَأَصِيلاً. قُلْ أَنزَلَهُ الَّذِي يَعْلَمُ السِّرَّ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ إِنَّهُ كَانَ غَفُوراً رَّحِيماً." (الفرقان:۴-۶)

(جن لوگوں نے نبی کی بات ماننے سے انکار کر دیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ یہ فرقان ایک من گھڑت چیز ہے جسے اس شخص نے آپ ہی گھڑ لیا ہے اور کچھ دوسرے لوگوں نے اس کام میں اس کی مدد کی ہے۔ ان منکرین نے خلاف واقع من گھڑت بات کہی اور کہتے ہیں یہ پرانے لوگوں کی لکھی ہوئی چیزیں ہیں۔ جنہیں یہ شخص نقل کر لیتا ہے اور وہی صبح و شام اس کے پاس لکھی جاتی ہیں۔ اے نبی ان سے کہو کہ اسے نازل کیا ہے اس نے جو زمین اور آسمانوں کا بھید جانتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ بڑا غفور و رحیم ہے۔)

چالیس سال کی عمر میں غار حرا کے اندر جبرئیل امین وحی لے کر آئے اور آپ سے کہا کہ اے محمد پڑھیے۔ آپ بار بار یہی کہتے رہے کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ فرشتہ وحی نے جب آپ کو سینہ سے

لگا کر بھینچا تو آپ پڑھنے لگے۔ (۳) یہ اور بعض دوسرے واقعات سے یہ بات مزید واضح ہو جاتی ہے کہ آپ پڑھنے لکھنے سے واقف نہ تھے۔ نبوت سے سرفراز کیے جانے کے بعد تبلیغ دین کے لیے آپ نے بہت سے حکم رانوں کے نام خطوط اور فرامین لکھوا کر بھیجے۔ اگر آپ نوشت وخواند سے واقف ہوتے تو ایسا کرنے کی ضرورت نہ پڑتی۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر کفار کے قابل اعتراض لفظ کو مٹا کر محمد بن عبد اللہ لکھنے کو حضور ﷺ نے حضرت علی سے کہا۔ انہوں نے احترامِ نبوی کا لحاظ کرتے ہوئے جواب دیا یہ کام مجھ سے نہیں ہو سکتا۔ اس پر حضور ﷺ نے علی سے فرمایا کہ بتاؤ وہ لفظ کہاں ہے۔ حضرت علی نے انگلی رکھ کر بتا دیا۔ حضور ﷺ نے اپنے ہاتھ سے اسے مٹایا اور اس کی جگہ محمد بن عبد اللہ لکھوا دیا۔ (۴) برسوں علمی ماحول میں رہنے کی وجہ سے بعض لوگ کم از کم اپنے نام کا املا کر ہی لیتے ہیں۔ اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں اور نہ اس سے پڑھے لکھے ہونے پر استدلال نہیں کیا جا سکتا ہے۔ بعض روایتیں ایسی بھی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ آخری زمانہ تک آپ کے اندر لکھنے پڑھنے کی شدبد پیدا ہو گئی تھی۔ مگر یہ تمام روایتیں موضوع اور کمزور ہیں۔ (۵)

کفار مکہ نے راہبوں سے علمی استفادہ کا الزام نہیں لگایا:

بتوں کی مذمت اور عقائد واعمال کے مفاسد کی باتیں سننا کفار ومشرکین کے نزدیک دل شکن بات تو تھی، مگر ان کے لیے زیادہ اچنبھے والی بات یہ تھی کہ سابقہ انبیاء اور ان کے پیروکاروں کی اطلاع آخر

نبی کو کہاں سے مل رہی ہے۔ وہ تو پڑھے لکھے نہیں ہیں کہ سابقہ کتابوں سے معلومات اخذ کر سکیں۔ ہو نہ ہو یہ فلاں فلاں عجمی غلاموں سے جنہیں آسمانی کتابوں کا علم ہے، معلومات حاصل کرتے ہوں۔ ان کے نزدیک معلومات کے ذرائع ان کے علاوہ شام کے راہب ہوتے تو وہ ضرور اس کی تشہیر کرتے اور کہتے یہ باتیں انہیں سے سیکھی تھیں۔ لیکن یہ عجیب بات ہے کہ نبی کے ہم عصر دشمنوں میں سے کسی نے بھی یہ نہیں کہا کہ تم بچپن میں بحیرا راہب سے جب ملے تھے، اس وقت یہ سارے مضامین ان سے سیکھ لیے تھے اور نہ یہ کہا کہ جوانی میں جب تجارتی سفروں کے سلسلے میں تم باہر جایا کرتے تھے ،اس زمانے میں تم نے عیسائی اور یہودی علما سے یہ معلومات حاصل کی تھیں۔ یہ سفر اکیلے نہیں قافلے کے ساتھ ہوئے تھے اور وہ جانتے تھے کہ ان میں کسی سے کچھ سیکھ کر آنے کا الزام لگائیں گے تو اپنے ہی شہر والے جھٹلائیں گے ۔ اس کے علاوہ مکے کا ہر عام آدمی پوچھے گا کہ اگر یہ معلومات اس شخص کو بارہ تیرہ برس کی عمر ہی میں بحیرا سے حاصل ہوگئی تھیں تو آخر یہ شخص کہیں باہر تو نہیں رہتا تھا، ہمارے ہی درمیان رہتا، بستا تھا۔ کیا وجہ ہے کہ چالیس برس کی عمر تک اس کا یہ سارا علم چھپا رہا اور کبھی ایک لفظ بھی اس کی زبان سے ایسا نہ نکلا جو اس کے علم و دانش کی غمازی کرتا؟(٦)

علامہ سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں:

"سب سے بڑی بات یہ ہے کہ آں حضرت ﷺ کی پیغمبرانہ زندگی پورے ٢٣/ برس تک قائم رہی ،اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی انسانی معلم سے فیض پاتے رہتے تو ضرور تھا کہ وہ اس پورے

زمانہ تک یا بڑی حد تک خلوت وجلوت میں آپ کے ساتھ رہتا کہ وقت ضرورت (نعوذ باللہ) آپ اس سے قرآن بنواتے، احکام ومواعظ سیکھتے، اسرار ونکات معلوم کرتے اور یہ شخص یقینا مسلمان نہ ہوتا، کیوں کہ جو شخص خود مدعی نبوت کو تعلیم دے رہا ہو، وہ کیوں کر اس کی نبوت کو تسلیم کر سکتا تھا اور پھر اس شہرت عام، ذکر جمیل، رفعت مقام کو دیکھ کر جو مدعی نبوت کو حاصل ہو رہی تھی ، وہ خود پردہ کے پیچھے گم نامی پسند کرتا اور صحابہ کرام کی نگاہوں سے اس کا وجود ہمیشہ مستور رہتا، جس عجمی کی نسبت قریش کو شبہ تھا، اگر حقیقت میں آپ اس سے تعلیم حاصل کیا کرتے تو قریش جو آپ کی تکذیب، تذلیل اور آپ کو خاموش کرنے کی تدبیر پر عمل پیرا ہو رہے تھے، ان کے لیے آسان تھا کہ اس غلام عجمی کو الگ کر دیتے کہ محمد رسول اللہ کا وحی اور قرآن کا تمام کاروبار دفعتاً درہم برہم ہو جاتا، علاوہ ازیں زیادہ سے زیادہ اس کا وجود مکہ میں تھا، پھر مدینہ میں ۱۳/ برس تک سینۂ نبوت سے فیضان الٰہی کا سرچشمہ کیوں کر ابلتا رہا، قرآن شریعت اسلام اور احکام کا بڑا حصہ یہیں وحی ہوا ہے، مکہ میں تو نسبتاً بہت کم سورتیں نازل ہوئیں۔"(۷)

شام کے تجارتی سفر کا تفصیلی پس منظر:

حضور کے تجارتی سفر جو بچپن میں ہوئے اس کی تفصیل جامع الترمذی میں بیان کی گئی ہے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری فرماتے ہیں:

"ابو طالب رؤسائے قریش کے ہمراہ (ملک) شام کی طرف (تجارت کے لیے) چلے۔ آپ کے ہمراہ رسول اللہ بھی اس سفر میں تھے ۔ جب (بحیرا) راہب کے مکان (یا صومعہ) کے قریب پہنچے تو ابو طالب اترے اور لوگوں نے اپنے کجاوے کھول دیئے۔ پادری (راہب) ان کے پاس آیا، اس سے پہلے بھی یہ لوگ یہاں سے گذرا کرتے تھے، مگر راہب ان کے پاس نہ آتا تھا بلکہ التفات بھی نہ کرتا تھا۔ (اب کی دفعہ خلاف معمول خود چل کر آیا) یہ لوگ ابھی کجاوے کھول ہی رہے تھے کہ وہ ان کے درمیان گھس کر چلنے لگا، یہاں تک کہ اس نے آکر رسول اللہ کا ہاتھ پکڑ لیا اور اس نے (لوگوں کو مخاطب کر کے) کہا: یہ تمام جہانوں کے پروردگار کی طرف سے رسول ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو عالم کے لیے رحمت بنا کر مبعوث کرے گا اور یہ تمام عالم کے سردار ہیں۔ رؤسائے قریش نے پوچھا یہ آپ کو کیسے معلوم ہوا۔ پادری نے کہا جس وقت تم لوگ عقبہ سے چلے ہو تو جتنے پتھر اور درخت تھے، سب سجدہ میں گر پڑے ۔ ایک پتھر اور ایک درخت بھی ایسا نہ رہا جس نے سجدہ نہ کیا ہوا۔ درخت اور پتھر سوائے پیغمبر کے کسی کو سجدہ نہیں کرتے اور میں ان کی مہر نبوت بھی پہچانتا ہوں جو آپ کے مونڈھے کی ہڈی کے نیچے سیب کی مانند ہے، پھر وہ پادری واپس چلا گیا اور ان لوگوں کے لیے کھانا تیار کرنے لگا جس وقت وہ کھانا لے کر ان کے پاس آیا تو آپ اونٹوں کے چرانے میں مصروف تھے ۔ اس نے آپ کو بلا بھیجا، جس وقت حضور وہاں سے چلے تو ایک بدلی آپ کے سر پر سایہ کیے ہوئے تھی، جب آپ لوگوں کے پاس پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ یہ لوگ مجھ سے پہلے درختوں کے سایوں کی جگہ قبضہ کر چکے ہیں۔ جب آپ بیٹھے تو درخت کا سایہ آپ پر جھک گیا، پادری نے لوگوں سے کہا۔

دیکھو اس درخت کا سایہ آپ پر جھک گیا ہے۔ راوی کہتے ہیں کہ وہ پادری ان کے پاس کھڑا ہوا قسمیں کھا کھا کر ان کو سمجھا رہا تھا کہ ان کو روم کی طرف نہ لے جاؤ، کیوں کہ رومی لوگ اگر ان کو دیکھیں گے تو صفت و علامات سے ان کو پہچان لیں گے (کہ یہ اللہ تعالی کے برگزیدہ نبی ہیں) اور آپ کو قتل کر ڈالیں گے۔ اتنے میں اس نے منھ موڑ کر کیا دیکھا کہ سات آدمی روم کی طرف سے چلے آ رہے ہیں پادری نے ان کا استقبال کیا اور ان سے پوچھا کہ تم کیوں آئے؟ انہوں نے کہا ہم اس لیے آئے ہیں کہ ایک نبی اس مہینہ میں نکلنے والے ہیں۔ پس کوئی راستہ ایسا نہیں جہاں چند آدمی نہ بھیجے گئے ہوں اور ہمیں ان کی خبر ملی ہے تو ہمیں اس راستہ کی طرف بھیجا گیا ہے۔ پادری نے پوچھا کیا تم لوگوں کے پیچھے کوئی تم سے بہتر آدمی بھی ہے؟ انہوں نے کہا ہمیں تو آپ کے اسی راستہ کی خبر دی گئی ہے (اور کچھ نہیں بتایا گیا) پادری نے کہا اچھا تو یہ بتاؤ کہ اگر اللہ تعالی نے کسی امر کا ارادہ کیا ہو تو کیا انسان کی طاقت ہے کہ اسے روک دے؟ انہوں نے کہا نہیں۔ الغرض انہوں نے آپ سے بیعت کر لی اور آپ کے ساتھ مقیم رہے۔ پادری نے قریش سے کہا تمہیں خدا کی قسم یہ بتاؤ کہ تم میں اس کا ولی (سرپرست) کون ہے؟ انہوں نے کہا ابو طالب (آپ کے چچا اور سرپرست ہیں) پادری نے قسمیں دے کر ابو طالب سے کہا کہ انہیں واپس لے جاؤ۔ آخر ابو طالب نے آپ کو مکہ واپس بھیج دیا اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ نے آپ کے ہمراہ بلال کو بھیجا اور اس پادری نے آپ کو زادراہ کے لیے روٹیاں اور روغن دیا۔ "(۸)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تجارتی اسفار صحیح تناظر میں:

حضور کے تجارتی اسفار جو ملک شام کے لیے ہوئے، اس سے متعلق جو تفصیلات بعض کتب احادیث وسیر اور تاریخ میں ملتی ہیں اور جیسا کہ ابھی اوپر تفصیلی روایت گزری ہے۔ اس میں سے ناقابل فہم باتوں کو نکال دیا جائے تو اس کا سیدھا سادا مطلب یہی نکل کر سامنے آتا ہے کہ آپ نے پہلی مرتبہ شام کا سفر اس وقت کیا، جب کہ آپ کی عمر مشہور روایت کے مطابق ۱۲/ سال کی تھی۔ یہ سفر آپ کا اپنے چچا ابو طالب کے ساتھ ہوا تھا۔ جب یہ تجارتی قافلہ منزل بہ منزل کوچ کرتا ہوا، شام کے علاقہ بصری کے مقام پر پہنچا تو ایک جگہ قیام کیا۔ یہاں سے کچھ فاصلہ پر عیسائیوں کی ایک خانقاہ تھی۔ اس میں بحیرا نام کا ایک راہب رہتا تھا۔ خلاف معمول یہ راہب اپنے صومعے سے نکلا اور قافلہ والوں کو دیکھنے لگا۔ اسے اس قافلہ والوں میں سے کسی ایک آدمی کے متعلق غیر معمولی باتیں نظر آنے لگیں۔ صحیح صورت حال جاننے کے لیے اس نے اس تجارتی قافلہ کی دعوت کی۔ وقت مقررہ پر سارے لوگ کھانے کے لیے پہنچے اور دسترخوان پر بیٹھ گئے۔ راہب کی نظر اس کم سن بچہ پر پڑی۔ وہ اسے بغور دیکھتا رہا۔ اسے اس بچہ کے چہرہ بشرہ سے غیر معمولی بلندی کے آثار نظر آرہے تھے اور وہ علامات بھی نظر آرہی تھیں جو نبی آخر الزماں کے متعلق وہ اپنی آسمانی کتابوں میں پڑھ چکا تھا۔ چنانچہ وہ حضور کے قریب ہوا اور آپ سے مخاطب ہو کر کچھ پوچھنے لگا۔ آپ نے کم عمر ہونے کے باوجود اس کے سارے سوالوں کا صحیح صحیح جواب دے دیا۔ اس سے اسے اتنا اندازہ تو ہو گیا کہ ہو نہ ہو یہی بچہ آگے چل کر آخری نبی مقرر ہو، مگر اس نے یقین سے کچھ کہنے کے بجائے ابو طالب سے کہا کہ یہ بچہ

بلند اقبال والا ہے، تم اس کی اچھی طرح نگہ داشت اور پرورش و پرداخت کرنا۔ ابن اسحاق کے بہ قول بحیرا راہب نے ابو طالب سے یہ بھی کہا:

"آپ اپنے بھتیجے کو وطن واپس لے جائیں اور یہود سے اس کو بچائیں۔ اللہ کی قسم اگر انہوں نے دیکھ لیا اور وہ علامتیں پہچان لیں جو میں نے پہچانی ہیں تو وہ اسے ضرر پہنچائیں گے۔ آپ کا بھتیجا بڑی عظمت والا ہے۔"(۹)

حافظ ابن کثیر نے اپنی تاریخ میں اس واقعہ کو تفصیل سے نقل کیا ہے۔ بحث کے شروع میں انہوں نے اس کے متعلق جو باتیں تحریر کی ہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ راہب نے ان کے چچا سے حضور کی حفاظت اور اچھی طرح پرورش و پرداخت کرنے کی بات کہی تھی، نہ کہ یہ کہا تھا کہ یہ بچہ نبی آخر الزماں بننے والا ہے۔ (۱۰) ابن جریر طبری نے اس واقعہ سے متعلق تمام رطب و یابس باتوں کو حذف کر دیا ہے، البتہ انہوں نے ابو موسی اشعری کے حوالے سے وہی روایت نقل کی ہے جسے ترمذی نے نقل کیا ہے۔ (۱۱)

شام کا دوسرا واقعہ اور نسطورا سے ملاقات کی اصلیت:

اسی نوعیت کا دوسرا واقعہ بھی ملک شام میں اس وقت پیش آیا جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر ۲۵ سال کی تھی۔ آپ کا یہ سفر بھی تجارت کی غرض سے ہوا تھا۔ حضرت خدیجہ کا مال لے

کر جا رہے تھے۔ آپ کے معاون کے طور پر حضرت خدیجہ نے اپنے غلام میسرہ کو ساتھ کر دیا تھا۔ (۱۲) جب یہ تجارتی قافلہ شام کے علاقہ بصری میں پہنچا تو سب لوگوں نے پڑاؤ ڈالا۔ دھوپ کی شدت سے بچنے کے لیے آپ ایک درخت کے نیچے آرام کرنے لگے۔ اب کی بار نسطورا راہب اپنے خیمہ سے نکل کر قافلہ والوں کے پاس آیا۔ یہاں تک کہ اس نے میسرہ سے پوچھا کہ اس درخت کے نیچے آرام کرنے والا شخص کون ہے؟ اس نے کہا کہ مکہ کے قریش کا ایک فرزند ہے۔ راہب نے کہا کہ آج تک اس درخت کے نیچے حضرت عیسی علیہ السلام کے بعد کوئی دوسرا آدمی نہیں بیٹھا، یہ کوئی غیر معمولی آدمی نظر آتا ہے۔ پھر وہ حضور سے ملا اور گفت و شنید کی۔ راہب آپ سے غیر معمولی طور پر متاثر ہوا۔ بعض نشانیوں کو دیکھ کر اور حضور ﷺ کے عادات واطوار کو ملاحظہ کرنے کے بعد اسے یہ نتیجہ اخذ کرنے میں دقت نہ ہوئی کہ یہ نبی آخر الزماں ہیں۔ مگر یقینی بات کہنے کے لیے اس کے پاس کوئی مضبوط دلیل نہ تھی۔ یہاں تک کہ حضور ﷺ اپنی تجارت سے فارغ ہوئے اور وطن لوٹے۔ چوں کہ میسرہ ہر وقت آپ کے ساتھ رہتے تھے، اس لیے وہ حضور ﷺ کے افعال و گفتار اور اخلاق و کردار سے بہت متاثر ہوئے۔ اس کا ذکر انہوں نے حضرت خدیجہ سے کیا تو وہ بھی آپ کی قدرداں ہو گئیں۔ یہاں تک کہ حضرت خدیجہ نے آپ سے نکاح کی پیش کش کر دی۔

ابن جریر طبری نے اس دوسرے سفر کے متعلق زیادہ تفصیلات بیان نہیں کی ہیں۔ انہوں نے بس اتنا لکھا ہے کہ میسرہ سے راہب نے پوچھا کون یہ شخص ہے۔ میسرہ نے مذکورہ باتیں بیان کر دیں، اس

پر راہب نے کہا کہ مانزل تحت ھذہ الشجرہ قط الا نبی (۱۳) اس کے بعد انہوں نے تجارت سے واپسی اور مکہ پہنچنے کا ذکر کیا ہے۔

ان واقعات کا کم زور پہلو:

ان واقعات کے متعلق ایسی بہت سی باتیں بعض دوسری کتابوں میں جگہ پا گئیں ہیں جو درست معلوم نہیں ہوتیں۔ ان میں سے بعض باتیں یہ ہیں۔ ایک یہ کہ قافلے والے حضور ﷺ کو سامان کی حفاظت کے لیے خیمہ میں چھوڑ کر راہب کی دعوت کھانے چلے گئے۔ لاکھوں کا سامان تجارت ایک بچہ کی نگرانی میں چھوڑ کر جانا خلاف قیاس معلوم ہوتا ہے۔ جب حضرت ابو طالب سفر کے لیے نکل رہے تھے تو حضور ﷺ نے اپنے چچا کا دامن تھام لیا اور سفر میں ساتھ جانے پر اصرار کرتے رہے، بہ مشکل تمام ابو طالب اپنے ساتھ لے جانے پر راضی ہوئے۔ جب قافلہ والوں کی دعوت راہب نے کی تو حضرت ابو طالب اپنے بھتیجا کو غیر مامون جگہ پر تنہا چھوڑ کر ہر گز نہیں جاسکتے تھے، وہ آپ کو ضرور اپنے ساتھ لے کر جاتے۔ راہب نے لات وعزی کی قسم دے کر حضور ﷺ سے کچھ معلومات حاصل کرنا چاہا حضور ﷺ نے کہا، لات وعزی کی قسم مجھے نہ دو مجھے اس سے نفرت ہے۔ تب اس نے کہا کہ اچھا اللہ کے واسطے سے بتاؤ۔ پھر آپ نے راہب کے تمام سوالات کا ٹھیک جواب دیا۔ راہب نے آپ کی مہر نبوت کو ملاحظہ کیا اور پہچان لیا کہ آپ ہی نبی آخر الزماں ہیں۔ اس کا

اظہار راہب نے ابو طالب سے کیا اور کہا کہ اس کی حفاظت کرنا، مبادا یہود پہچان لیں گے تو انہیں قتل کر ڈالیں گے۔ جیسے ہی ابو طالب نے بچہ کو وہاں سے رخصت کیا سات شر پسند رومی حضور کو تلاش کرتے ہوئے خانقاہ میں پہنچ گئے اور اپنا ارادہ ظاہر کیا کہ ہم محمد کا قتل کرنے آئے ہیں۔ مگر راہب کے سمجھانے پر وہ اپنے فعل سے باز آ گئے۔ یہ اور اس طرح کی دوسری باتیں جو اس واقعہ کے متعلق بیان کی جاتی ہیں بے بنیاد اور من گھڑت معلوم ہوتی ہیں۔

اس سے یہ بھی پتا چلتا ہے کہ ۱۲/ سال کی عمر میں خود حضور ﷺ کو معلوم ہو گیا تھا کہ آپ عنقریب نبی بنائے جانے والے ہیں۔ اسی طرح مکہ والے بھی جان گئے تھے کہ آپ ہی آخری نبی ہیں اور اس کی شہرت دور دور تک پھیل جانی چاہیے تھی ۔ اگر راہب کی باتوں کا اعتبار کر لیا جائے تو کم از کم اس سفر کے بعد لوگوں نے آپ پر قاتلانہ حملہ کیوں نہیں کیا۔

اس سفر کے بعد آپ نے یقینا کئی اسفار بغرض تجارت کیے ہوں گے جس کی تفصیلات نہیں ملتیں۔ لیکن بالکل اسی نوعیت کا دوسرا واقعہ بغرض تجارت جاتے ہوئے بصری کے مقام پر ظاہر ہوا اور اس وقت بھی اسی خانقاہ کے ایک راہب جو نسطورا کہلاتا تھا کا واسطہ آپ سے پڑا اور اس نے بھی آپ کے نبی بنائے جانے کی تصدیق کی۔ یہ بات تو تسلیم کی جا سکتی ہے کہ اگر یہ سفر یقینی ہے تو آپ نے ایک

درخت کے نیچے آرام کیا ہو گا اور راہب نے کہا ہو گا کہ حضرت عیسیٰ کے بعد سے لے کر آج تک کوئی دوسرا آدمی اس درخت کے نیچے نہیں بیٹھا۔ مگر یہ کہنا صحیح نہیں معلوم ہوتا کہ اس کے نیچے بیٹھنے والا شخص ہی نبی آخر الزماں ہے۔ علامہ زرقانی نے شرف المصطفی کے حوالے سے یہ بھی تحریر کیا ہے کہ پھر نسطورا آپ کے قریب ہوا اور آپ کے قدم چومے اور کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول اور نبی امی ہیں، جس کی بشارت عیسی علیہ السلام نے دی تھی اور کہا تھا کہ میرے بعد اس درخت کے نیچے آپ کے سوا کوئی نہ بیٹھے گا۔ (۱۴) واقعہ کی تفصیل میں یہ بات بھی ملتی ہے کہ میسرہ نے پورے راستے میں آتے جاتے دیکھا کہ دو فرشتے مستقل آپ پر سایہ کیے رہتے ہیں۔ یہ کوئی معمولی واقعہ نہ تھا۔ اگر ایسا ہوتا تو آپ خود تعجب کرتے اور قافلہ میں موجود لوگ حیرت میں پڑ جاتے کہ آخر ماجرا کیا ہے؟

غیر معمولی باتوں کا اثر آپ ﷺ پر کیوں نہیں ہوا؟

اگر اس واقعہ میں صداقت ہوتی تو یہ بات مکہ سے لے کر شام تک اور شام سے لے کے مکہ تک تو مشہور ہو ہی جاتی، مگر روایات سے بس اتنا پتا چلتا ہے کہ میسرہ نے پورے راستہ اس منظر کو ملاحظہ کیا۔ رہی بات راہب کے اس علامت کے ملاحظہ کرنے کی تو یہ کوئی بعید بات نہیں ہے، کیوں کہ بعض لوگ اپنے علم اور ریاضت کی وجہ سے بعض وقت اللہ کی نشانیوں کو ملاحظہ کر لیتے ہیں۔ مگر پہلے تو یہ

ثابت ہو جائے کہ ایسا ہوا بھی کہ نہیں۔ پھر جب حضور ﷺ تجارتی سفر سے لوٹ کر مکہ میں آئے تو خدیجہ نے اپنے بالاخانے سے دیکھا کہ حضور ﷺ اونٹ پر سوار ہیں اور دو فرشتے آپ پر سایہ کیے ہوئے ہیں اس منظر کو خدیجہ نے اپنی سہیلیوں کو دکھایا جو اس وقت موجود تھیں۔ اس پر ان لوگوں کو تعجب ہوا۔ میسرہ نے راستے کے عجائبات اور آپ کی کرامت و بزرگی کا تفصیل سے ذکر کیا اور راہب کی بات بیان کی کہ آپ نبی آخر الزماں ہیں جس کی بشارت کتب سابقہ میں دی گئی ہے۔ ان باتوں کو سننے اور آپ کی کرامت و بزرگی کو دیکھ کر حضرت خدیجہ نے اپنے آپ کو آپ ﷺ سے منسوب کرنے کا پیغام بھیج دیا جسے آپ نے قبول بھی کر لیا۔ (۱۵) اس طرح کی باتوں سے تو بالکل یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس بار بھی آپ کو ۱۵/ سال پہلے معلوم ہو گیا کہ آپ نبی بننے والے ہیں، جو صحیح نہیں ہے۔

یہ الگ بات ہے کہ آپ ﷺ شروع سے ہی نیک، شریف اور اعلی اخلاق کے مالک تھے، لیکن خود آپ ﷺ پر اپنا مقصد زندگی واضح نہیں تھا اور نہ آپ ﷺ نے مستقبل کے لیے کوئی لائحہ عمل تیار کیا تھا۔ ایک عام انسان کی طرح زندگی گزارتے تھے۔ مگر بنیادی فرق یہ تھا کہ آپ کائنات کی ہر چیز پر غور و فکر کرتے تھے اور وحدانیت کے تصور سے آپ کا سینہ سرشار تھا۔ اس لیے یہ بات کس

طرح درست ہو سکتی ہے کہ جیسا کہ علامہ زرقانی اور حافظ ابن حجر نے ابو سعید کے حوالے سے کہا کہ راہب آپ پر ایمان لے آیا تھا۔(١٦) نبوت ملی نہیں ایمان لانے کا عمل کیسے واقع ہو گیا۔

آیات قرآنی سے واقعہ کی تغلیط:

مذکورہ دونوں اسفار میں راہب سے علمی استفادہ کو درست مانا جائے تو پھر قرآن کی مندرجہ ذیل آیتوں کا کیا جواب ہو گا، جس میں کہا گیا ہے کہ آپ ﷺ نبوت کی امید لگائے ہرگز نہ بیٹھے تھے۔ ارشاد باری تعالی ہے:

"وَمَا كُنتَ تَرْجُو أَن يُلْقَىٰ إِلَيْكَ الْكِتَابُ۔" (القصص:٨٦)

(اور آپ ہرگز اس کے امیدوار نہ تھے کہ آپ پر کتاب نازل کی جائے گی۔)

ایک اور مقام پر آپ کی امیت کو واضح کرنے کے ساتھ فرمایا گیا ہے کہ آپ کو کیا معلوم کہ کتاب اور ایمان کیا چیز ہوتی ہے، اگر اس بات کا پہلے سے علم ہوتا کہ آپ نبی بنائے جانے والے ہیں تو یہ بڑی بات ہوتی۔ ارشاد باری تعالی ہے:

" مَا كُنتَ تَدْرِي مَا الْكِتَابُ وَلَا الْإِيمَانُ" (الشوری:٥٢)

(تم نہیں جانتے تھے کہ کتاب کیا ہوتی ہے اور نہ یہ جانتے تھے کہ ایمان کیا ہوتا ہے)

آئندہ کے لیے اس طرح کی باتیں وہی شخص سوچ سکتا ہے جو سماج کا سب سے اعلی فرد ہو۔ جیسا کہ کفارو مشرکین کی گفتگو قرآن نے نقل کی ہے کہ کیا اللہ تعالیٰ کو اور دوسرا معزز آدمی نہیں ملا تھا کہ وہ اسے نبی بناتا۔(زخرف:۳۰) پھر دومرتبہ جب آپ ﷺ پر یہ بات واضح ہو گئی کہ آپ عنقریب نبی بنائے جانے والے ہیں،تو آپ کے دل میں اس کی امنگ پیدا نہ ہوئی ناقابل فہم بات ہے۔ اگر ایسا ہوا تو نعوذ باللہ قرآن کی تصریحات غلط ہیں ۔ یا پھر قرآن نے جو کچھ کہا ہے تو اسے ہی صحیح مانا جائے اور ماننا بھی چاہیے تو اس سفر میں جو خرق عادات باتیں سامنے آتی ہیں وہ لغو ہیں۔ مولانا سید ابو الا علی مودودی لکھتے ہیں:

"یہ واقعہ جس پر مستشرقین نے بہت سے قیاسات کی عمارت اٹھائی ہے اوران علوم کو جو رسول ہونے کے بعد آپ سے ظاہر ہوئے ،عیسائی راہبوں سے حاصل کردہ معلومات قرار دیا ہے ۔ اس پر مزید خود ہمارے ہاں کی بعض روایات بھی ایسی ہیں جو ایک حد تک ان قیاسات کو تقویت پہنچاتی ہیں۔ دراصل یہ کوئی عجیب بات نہیں ہے کہ ایک زاہد مرتاض آدمی جس نے مجاہدوں سے اپنی روحانی قوتوں کو نشوونما دیا ہو،کچھ غیر معمولی برکات کے آثار دیکھ کر محسوس کرلے کہ اس قافلہ میں کوئی عظیم شخصیت موجود ہے ،اورآپ کو دیکھ کر اسے اپنے اندازوں کی تصدیق ہوگئی ہو۔ نیز اس نے اس خیال سے کہ یہودی ایک حاسد قوم ہیں اوروہ عرب کے امیوں میں کسی عظیم شخصیت کے

ظہور کو اپنے لیے خطرہ سمجھ کر اس کے درپے آزار ہو سکتے ہیں، ابو طالب کو ان سے بچانے کا مشورہ دیا ہو۔ لیکن یہ بات قابل تسلیم نہیں ہے کہ اس نے یہ سمجھ لیا کہ آپ ہی وہ ہونے والے نبی ہیں جن کے آنے کی خبر پچھلی کتابوں میں دی گئی ہے، کیوں کہ پیشین گوئیوں سے یہ ضرور معلوم ہوتا تھا کہ ایک نبی آنے والے ہیں اور ان کا نام محمد ہوگا، لیکن تعیین کے ساتھ یہ معلوم کر لینا ممکن نہ تھا کہ حضور ہی وہ نبی ہیں"۔(۱۷)

اسی واقعہ کے تناظر میں شیخ محمد غزالی لکھتے ہیں:

" خواہ یہ واقعہ صحیح ہو یا غلط، لیکن بعد میں اس کا کوئی اثر نظر نہیں آتا۔ نہ حضرت محمد ﷺ نے نبوت کی توقع یا اس کے لیے تیاری شروع کی، نہ اہل قافلہ نے بعد میں اس واقعہ کو پھیلایا اور اس طرح بھول گئے جیسے کوئی واقعہ ہوا ہی نہیں تھا۔"(۱۸)

علماء و محدثین کے نزدیک تجارتی اسفار اور حدیث کی حقیقت:

محدثین کی بیان کردہ روایات میں دیگر باتوں کے ساتھ ایک بڑی خرابی یہ ہے کہ ان میں بیان کیا گیا ہے کہ بحیرا راہب کے کہنے پر ابو طالب نے اپنے بھتیجے کو حضرت ابو بکر اور حضرت بلال کی

معرفت مکہ روانہ کر دیا۔ اس وقت حضرت ابو بکر خود چھوٹے تھے اور حضرت بلال کا کوئی وجود نہیں تھا۔ اس بنا پر علامہ ذہبی نے لکھا ہے کہ یہ واقعہ باطل ہے۔ علامہ مبارک پوری تحریر کرتے ہیں علامہ ذہبی نے حدیث کے مذکورہ جملے کی وجہ سے اسے ضعیف قرار دیا ہے، کیوں کہ ابو بکر نے بلال کو اس وقت خریدا ابھی نہ تھا۔ امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ اس وقت تک بلال کا وجود ہی نہ تھا اور اگر تھا تو اس وقت تک ابو بکر یا ابو طالب کے ساتھ نہیں تھے۔ حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ اس حدیث کو ترمذی، حاکم، بیہقی اور ابن عساکر نے بیان کیا ہے اس میں بعض عجیب باتیں ہیں، یہ مرسلات صحابہ میں سے ہے اس لیے کہ حضرت ابو موسی اشعری جو اس کے راوی ہیں غزوہ خیبر کے سال تشریف لائے تھے۔ اصطلاحات حدیث کی رو سے یہ حدیث معلل ہے۔(۱۹) اس کے برعکس حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ اس حدیث کے راوی ثقہ ہیں۔ اس میں اس جملے کے علاوہ کوئی نقص نہیں۔ اس بات کا احتمال ہے کہ یہ جملہ مدرج ہو۔ یعنی کسی دوسری منقطع روایت سے اس میں شامل ہو گیا ہو اور یہ کسی راوی کا وہم ہو۔ جب کہ علامہ شبلی نعمانی حافظ ابن حجر پر سخت تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"حافظ ابن حجر رواۃ پرستی کی بنا پر اس حدیث کو صحیح تسلیم کرتے ہیں، لیکن چوں کہ حضرت ابو بکر اور بلال کی شرکت بداہتاً غلط ہے، اس لیے مجبوراً اقرار کرتے ہیں کہ اس قدر حصہ غلطی سے روایت میں شامل ہو گیا ہے، لیکن حافظ ابن حجر کا یہ ادعا بھی صحیح نہیں کہ اس روایت کے تمام رواۃ

قابل سند ہیں۔ عبد الرحمن بن غزوان کی نسبت خود ہی حافظ ابن حجر تہذیب التہذیب میں لکھا ہے کہ " وہ خطا کرتا تھا، اس کی طرف سے اس وجہ سے شبہ پیدا ہوتا ہے کہ اس نے ممالیک کی روایت نقل کی ہے " ممالیک کی ایک روایت ہے، جس کو محدثین جھوٹ اور موضوع خیال کرتے ہیں۔ "(۲۰)

واقعات میں جو خامی ہے اس کے علاوہ بھی اس روایت میں سند کے اعتبار سے کم زوری ہے، اس کی صراحت کرتے ہوئے علامہ شبلی لکھتے ہیں:

"اس حدیث کے آخیر راوی ابو موسی اشعری ہیں، وہ شریک واقعہ نہ تھے اور اوپر کے راوی کا نام نہیں بتاتے۔ ترمذی کے علاوہ طبقات ابن سعد میں جو سلسلہ سند مذکور ہے (وہ مرسل یا معضل ہے۔ یعنی جو روایت مرسل ہے اس میں تابعی جو ظاہر ہے کہ شریک واقعہ نہیں ہے، کسی صحابی کا نام نہیں لیتا ہے اور جو روایت معضل ہے، اس میں راوی اپنے اوپر کے دو راوی جو تابعی اور صحابی ہیں دونوں کا نام نہیں لیتا ہے) "۔ (۲۱)

ان کے علاوہ اس حدیث میں جو مزید خامیاں ہیں اس پر علامہ شبلی نے سخت کلام کیا ہے، جس کی رو سے یہ حدیث قابل توجہ نہیں رہتی۔ اس صورت میں سفر شام میں راہب کی ملاقات اور اس کی

نشان دہی بہ سلسلہ نبوت مشکوک ہو کر رہ جاتی ہے۔ ترمذی کی مذکورہ روایت میں کئی اعتبار سے سقم پایا جاتا ہے۔اس میں بعض باتیں ایسی ہیں جو عقل و فہم کے خلاف نظر آتی ہیں۔ نیز اس میں واقعہ کے تسلسل اور ترتیب کا فقدان ہے۔ اس لئے بیش تر علماء نے اس روایت پر اعتماد نہیں کیا ہے۔ شیخ محمد الغزالی لکھتے ہیں:

"محققین کے نزدیک یہ روایت موضوع ہے،اس میں اس واقعہ سے مشابہت ہے جسے اہل انجیل بیان کرتے ہیں کہ حضرت عیسی کی ولادت کے فورا بعد کچھ لوگ انہیں قتل کرنے لیے تلاش کر رہے تھے اور عیسائیوں کے یہاں پایا جانے والا یہ واقعہ اس واقعہ سے مشابہت رکھتا ہے جسے بدھ مت کے پیروکار بیان کرتے ہیں کہ گوتم بدھ کی جب ولادت ہوئی تو دشمنوں نے انہیں قتل کرنے کے لیے تلاش کیا۔"(۲۲)

اس طرح کی روایات کو قبول کیوں نہیں کیا جانا چاہئے ،اس کی وجہ بتاتے ہوئے شیخ غزالی یہ بھی تحریر کرتے ہیں:

" علمائے سنت روایات کی تحقیق متن اور سند دونوں پہلوؤں سے کرتے ہیں۔ اگر ان سے پختہ علم اور ظن غالب حاصل نہ ہو تو ان کی پرواہ نہیں کرتے ،پیغمبروں کی جانب بہت سی خرافات منسوب

کردی گئی ہیں، اگر انہیں فن حدیث کے مقررہ قواعد کی کسوٹی پر پرکھا جائے تو ان کا کھوٹ ظاہر ہوتا ہے اور ان کی بنا پر انہیں رد کرنا مناسب ہوتا ہے۔"(۲۳)

اس حدیث کے الفاظ سے کسی سے مشابہت ہو یا نہ ہو، زیادہ اہم بات نہیں ہے۔ بحث اس سے ہے کہ کیا چھوٹی عمر میں خود حضور ﷺ کو اپنے بارے میں اور اہل مکہ کو آپ ﷺ کے نبی ہونے کا علم ہو چکا؟ اگر ہوا تو یہ معمولی بات نہیں تھی، اس کی تیاری پہلے سے شروع ہو جانی چاہیے تھی اور پھر چالیس سال کے بعد نبی ﷺ کی مخالفت کا جو بازار گرم ہوا وہ نہ ہونا چاہیے تھا۔ جب کہ اہل مکہ کو دوسروں کی زبانی پہلے ہی آپ ﷺ کی نبوت کا علم ہو چکا تھا اور آئندہ چل کر نبی کے ذریعہ کون کون سے کام انجام پائیں گے اس کی بھی وضاحت ہو گئی تھی، تو پھر حضور ﷺ نے جس چیز کی دعوت دی اس کی مخالفت کرنے کے بجائے قبول کرنا چاہیے تھا۔ اگر اس واقعہ کو صحیح سمجھ لیا جائے جیسا کہ کچھ لوگوں نے صحیح سمجھا ہے تو مستشرقین کے اس اعتراض کا کیا جواب ہوگا جو یہ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ کے ذہن میں توحید پرستی اور واحد مطلق ہستی کی طرف میلان کا جو رجحان پیدا ہوا وہ اسی راہب کی تعلیم کا نتیجہ ہے، اور حضور ﷺ پہلے سے ہی نبوت کی امید لگائے بیٹھے تھے۔ کیا اس قسم کی باتیں حضور ﷺ کی سیرت اور نبوت کے منافی نہیں ہیں؟ اس قسم کی روایت کی عدم صحت پر بحث کرتے ہوئے ڈاکٹر محمد سعید رمضان البوطی لکھتے ہیں:

”سیرت ابن ہشام (۱/۱۸۰) باختصار، اس روایت کو طبری نے اپنی تاریخ (۲/۲۸۷) میں، بیہقی نے سنن میں اور ابو نعیم نے حلیہ میں روایت کیا ہے، ان کی تفصیل میں بعض وجوہ سے کچھ اختلاف پایا جاتا ہے۔ اس روایت کو امام ترمذی نے دوسرے انداز سے تفصیل سے نقل کیا ہے، لیکن شاید ان کی سند میں کچھ ضعف ہے۔ اسی لیے انہوں نے خود بھی لکھا ہے یہ حدیث حسن غریب ہے، ہم اسے صرف اسی سند سے جانتے ہیں۔ اس کی سند میں ایک راوی عبد الرحمن بن غزوان ہے، اس کے بارے میں 'المیزان' میں صراحت ہے کہ اس سے بعض منکر احادیث مروی ہیں۔ ان میں سب سے منکر حدیث وہ ہے جو اس نے یونس بن اسحاق سے روایت کی ہے اور جس میں نبی کی نوعمری میں ابو طالب کے ساتھ شام کے سفر کا بیان ہے اور ابن سید الناس نے لکھا ہے کہ اس روایت کے متن میں بعض منکر باتیں ہیں۔ (دیکھئے عیون الاثر ۱/۴۳) عجیب بات یہ ہے کہ اس کے باوجود شیخ ناصر الدین البانی نے (جنہوں نے شیخ محمد غزالی کی کتاب فقہ السیرۃ کی تخریج کی ہے) اس حدیث کے بارے میں لکھا ہے: اس کی سند صحیح ہے۔ انہوں نے امام ترمذی کا تبصرہ بھی مکمل نقل نہیں کیا ہے، بلکہ اس کا صرف اتنا حصہ دیا ہے ”یہ حدیث حسن ہے“ حالانکہ ان کی عادت ہے کہ وہ اس سے کہیں زیادہ صحیح حدیث کو بھی بسا اوقات ضعیف قرار دیدیتے ہیں۔ جہاں تک قدر مشترک کا تعلق ہے وہ بہت سے طرق سے ثابت ہے اور اس میں کوئی ضعف نہیں ہے۔“ (۲۴)

مستشرقین کے دعویٰ کی کمزوری:

روایتوں سے جو نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے وہ یہ کہ آپ نے متعدد اسفار تجارت کی غرض سے کئے۔ انہیں اسفار میں آپ کی ملاقات اہل کتاب کے عالموں سے ہوئی۔ جہاں تک ان کی صحبت اختیار کرنے اور ان سے علمی وروحانی استفادہ کی بات ہے، ناقابل تسلیم ہے۔ اگر اس کو مان بھی لیا جائے تو پھر سوال پیدا ہو گا آپ نے اسی بات کی تعلیم دی جسے آپ نے راہبوں سے سیکھا تھا تو پھر اس پر عیسائی عمل کیوں نہیں کرتے اور اس کی تکذیب کیوں کرتے اور کہتے ہیں کہ آپ نبی برحق نہیں تھے اور آپ نعوذ باللہ عیوب کا مجموعہ ہیں۔ قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری لکھتے ہیں:

"پادری صاحبان نے اتنی بات پر "بحیرا نصرانی ملا تھا" یہ شاخ وبرگ اور بھی لگا دئے کہ ۴۰ سال کی عمر کے بعد جو تعلیم آں حضرت نے ظاہر کی تھی، وہ اس راہب کی تعلیم کا اثر تھا۔ میں کہتا ہوں کہ اگر آں حضرت نے تثلیث اور کفارہ کارد، مسیح کے صلیب پر جان دینے کا بطلان اس راہب کی تعلیم ہی سے کیا تھا تو اب عیسائی اپنے اس بزرگ کی تعلیم کو قبول کیوں نہیں کرتے۔"(۲۵)

خاص طور پر یہودی آخری نبی کی آمد کے منتظر تھے۔ تا کہ ان کی رہنمائی اور تعاون سے ان عیسائیوں کو جن کے ظلم کی چکی میں وہ برسوں سے پس رہے تھے، کیفر کردار تک پہنچا سکیں۔ جیسا کہ ذکر کیا جا چکا

ہے کہ جب ۱۲/سالہ بچے کو بحیرا کے کہنے پر واپس مکہ بھیج دیا گیا تو ٹھیک انہی دنوں ۷ رومی حضور کو تلاش کرتے ہوئے بحیرا کی خانقاہ میں پہنچے تا کہ نبی آخر الزماں کا قتل کر دیں۔ مگر انہوں نے ان کو نہ پایا اور راہب نے بھی ان لوگوں سے کہا کہ تم اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکتے، کیوں کہ اللہ کا یہی فیصلہ ہے۔ اس کے بعد وہ اپنے ارادے سے پھر گئے۔ اب قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیات ملاحظہ فرمائیں:

"وَكَانُوا مِن قَبْلُ يَسْتَفْتِحُونَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا فَلَمَّا جَاءَهُم مَّا عَرَفُوا كَفَرُوا بِهِ."

(البقرہ:۸۹)

(باوجود کہ اس کی آمد سے پہلے وہ خود کفار کے مقابلے میں فتح و نصرت کی دعائیں مانگا کرتے تھے ، مگر جب وہ چیز آگئی جسے وہ پہچان بھی گئے تو انہوں نے اسے ماننے سے انکار کر دیا۔)

اس آیت کے حوالے سے قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری لکھتے ہیں کہ:

"اس آیت سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ بحیرا راہب کا قول غلط تھا، کیوں کہ یہودی لڑکپن میں آنحضرت ﷺ کو پہچان لیتے تو اپنے اعتقاد کے مطابق حضور کو اپنی فتح و نصرت کا دیوتا سمجھ کر، نہایت خدمت گزاری کرتے"۔(۲۵)

پہلی بار جب آپ نے شام کا سفر کیا، اس وقت آپ کی عمر زیادہ سے زیادہ ۱۲/ سال کی تھی۔ (بعض روایت کے مطابق اس وقت آپ ۹/ سال کے تھے۔) اتنی چھوٹی عمر میں ایک راہب سے علم و حکمت کی وہ ساری باتیں کیسے سیکھ لیں جن کا روئے زمین میں کوئی ثانی نہیں۔ وہ بھی چند منٹوں یا گھنٹوں کی ملاقات میں۔ اس لیے مستشرقین کے یہ اعتراضات بے معنی ہو کر رہ جاتے ہیں کہ آپ نے راہبوں سے علمی فیض حاصل کیا تھا۔ جب کہ قرآن اور سابقہ کتابیں بار بار کہتی ہیں کہ آپ امی تھے۔ یہی نہیں بلکہ بعض مستشرقین نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ قرآن کا اصل مصنف بحیرا ہے جس سے حضور ﷺ نے اخذ کیا ہے۔ چنانچہ اس ذہنی خرافات کے متعلق ڈاکٹر محمد حمید اللہ لکھتے ہیں:

”کیا یہ معجزہ رونما ہو سکتا ہے کہ نو سال کی عمر کا ایک بچہ قرآن پاک کی ۱۱۴/ سورتیں چند منٹ میں حفظ کر لے اور پھر ایک نسل کے بعد ان قرآنی سورتوں کو یہ کہہ کر اپنی امت کے روبرو پیش کرے کہ یہ اللہ کا کلام ہے؟۔“(۲۷)

شام کے سفر سے متعلق جو رطب و یابس باتیں روایات میں داخل ہو گئیں ہیں ان کی تردید کرنے کے بعد ڈاکٹر محمد حمید اللہ لکھتے ہیں کہ کسی غیبی آثار کو دیکھ کر راہب نے قافلہ والوں کی دعوت نہیں کی تھی بلکہ ان کے اچھے رویے اور برتاؤ سے متاثر ہو کر راہب نے کھانے پر مدعو کیا تھا۔ اس کے بعد وہ اپنے

شبہ کا اظہار اس طرح کرتے ہیں کہ "شاید وہ مذہب کی تبدیلی کے حوالے سے نیک ارادہ رکھتا ہو۔ (۲۸)"

علامہ سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں:

"ہمارے عیسائی احباب اس ضعیف روایت پر اپنے شکوک وشبہات کی عظیم الشان عمارت قائم کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ پیغمبر اسلام نے اسی راہب کی صحبت سے فیض حاصل کیا۔ اگر یہ صحیح ہے تو دنیا کے لیے اس سے بڑا معجزہ محمد رسول اللہ ﷺ کا اور کیا چاہیے کہ ایک ابجد نا آشنا طفل دوازدہ سالہ نے چند گھنٹوں میں حقائق واسرار دین، اصول عقائد، نکات اخلاق، مہمات قانون اور ایک شریعت عظمی کی تکمیل وتاسیس کے طریقے سب کچھ سیکھ لیے۔ کیا ہمارے عیسائی دوست اس معجزہ کو تسلیم کرتے ہیں۔ "(۲۹)

حاصل بحث:

مستشرقین نے حصول علم اور معلومات کے ذرائع جن نصرانی عالموں کو قرار دیا ہے۔ ورقہ بن نوفل بھی انہی میں سے ایک تھے جو مکہ میں رہتے تھے۔ اگر بحیرا راہب سے حضور کے تعلیمی سلسلہ

کو جوڑا جاتا ہے تو ورقہ کو خاص طور پر اس بات کا علم ہوتا کہ آپ نبی برحق ہیں، کیوں کہ وہ آپ کو حضرت خدیجہ سے شادی سے قبل سے ہی جانتے تھے۔ پھر خدیجہ سے رشتہ داری کی بنا پر ان سے بڑی حد تک قربت ہو گئی، لیکن جب حضور پر پہلی وحی کے نازل ہونے کے وقت جو کیفیت طاری ہوئی ،اسے خدیجہ کی وساطت سے ورقہ کے سامنے بیان کیا گیا۔ جسے سننے کے بعد انہوں نے کہا آپ نبی برحق ہیں اور یہ وہی ناموس ہے جو موسی پر وحی لایا کرتا تھا۔ ورقہ نے اپنی سابقہ آسمانی کتابوں کی روشنی میں آپ ﷺ کے نبی ہونے کی تصدیق کی نہ کہ خبروں کو سن کر۔ قابل ذکر بات یہ ہے کہ ورقہ کو دونوں آسمانی کتابوں کا علم تھا۔ پہلے وہ یہودی تھے، بعد میں عیسائی ہو گئے تھے اور یہ عربی اور عبرانی زبان میں انجیل لکھتے تھے ۔ ان کتابوں کا گہرا علم رکھنے کے باوجود حضور ﷺ کی علامات و کیفیات کو سن کر اگر وہ اس کے خلاف کوئی دوسری بات کہتے تو گویا کہ وہ ایک حقیقت کو چھپانے کی کوشش کرتے اور اس سے یہ کہاں لازم آتا ہے کہ حضور نے علمی فیض حاصل کیا۔ رہے بعض دوسرے اہل کتاب علماء و ربیین ان سے آپ کی ملاقات برائے نام تھی اور خود حضور ﷺ اتنے اعلی اخلاق کے مالک تھے کہ اپنے شدید دشمن سے بھی ملتے تو خندہ پیشانی کا مظاہرہ کرتے۔ اسی طرح اہل کتاب کے بعض عالموں سے چاہے وہ غلام ہی کیوں نہ ہوں ملاقات ہو جاتی تو ان کی عظمت کا بھی آپ پورا خیال کرتے تھے۔ لہذا یہ بات وثوق سے کہی جا سکتی ہے کہ شروع سے ہی اللہ تبارک و تعالی خصوصی نہج پر آپ ﷺ کی تربیت کر رہا تھا اور آلائشوں سے آپ کے قلب و نظر اور فکر و خیال کو مصفی کر دیا تھا، اس لیے باطل افکار کے جذب کرنے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ پھر جب آپ

نبوت سے سرفراز کیے گئے تو گو آپ ﷺ امی تھے، مگر آپ کو جو معلومات حاصل ہو رہی تھیں وہ بواسطہ وحی ہو رہی تھیں جسے فرشتہ وحی لے کر آتا اور بعض وقت براہ راست آپ ﷺ کے قلب اطہر میں کوئی بات ڈال دی جاتی تھی۔ جب یہ صورت ہو تو لا محالہ یہ کہنا پڑے گا کہ اللہ تعالی نے ایک امی پر ہی نبوت کے سلسلہ کو ختم کر دیا تاکہ دنیا یہ تسلیم کر لے کہ اللہ کی قدرت دنیا کی ساری چیزوں پر محیط ہے اور جو کچھ دنیا میں ہوتا ہے اور ہوتا رہے گا وہ سب اسی کے ایما اور اشارے سے ہوگا۔ رہے آپ کے بعض رفیق جو پہلے عیسائی تھے اور بعد میں مسلمان ہو گئے یا آپ کا اپنی زوجہ مطہرہ ماریہ قبطیہ سے علم حاصل کرنا محض الزام اور تعصب ہے۔ ان میں کوئی اس لائق نہ تھا کہ وہ حضور ﷺ کو علمی فیض پہنچا سکے۔

***

ماخذ و مراجع

(1) شبلی نعمانی، سیرۃ النبی، ندوۃ المصنفین، شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ، ۲۰۰۳ء، ج:۱، ص:۱۲۶

(2) ڈاکٹر التہامی نقرہ، مستشرقین اور قرآن، (عربی اسلامی علوم اور مستشرقین (مجموعہ مقالات عربی) مترجم: ڈاکٹر محمد ثناء اللہ ندوی) توحید ایجوکیشنل ٹرسٹ، کشن گنج، بہار، ۲۰۰۴ء، ص:۱۲،

(3) ابی عبد اللہ محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری، کتاب الوحی، باب کیف کان بدء الوحی

(4) ایضا، کتاب المناقب، باب عمرۃ القضا

(5) سید سلیمان ندوی، سیرۃ النبی، ندوۃ المصنفین، شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ، ۲۰۰۳ء، ج:۳،

(6) سید ابوالاعلیٰ مودودی، سیرت سرور عالم، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی، ۲۰۰۵ء، ج:۱، ص:۴۲۵ اور ص:۶۵۰

(7) سیرۃ النبی، ج:۳، ص:۳۶۲

(8) محمد بن عیسیٰ الترمذی، جامع الترمذی، کتاب المناقب، باب ماجاء فی بدء نبوۃ النبی

(9) محمد بن اسحاق بن یسار، سیرت ابن اسحاق، ملی پبلیکیشنز، نئی دہلی، ۲۰۰۹ء، ص:۸۶

(10) ابوالفداء اسماعیل بن کثیر، البدایہ والنہایۃ، دارالریان للتراث، قاہرہ، ۱۹۸۸ء، ج:۱، جزو:۲، ص:۲۶۳-۲۶۴

(11) ابی جعفر محمد بن جریر الطبری، تاریخ طبری (تاریخ الرسل والملوک) دارالمعارف، قاہرہ، ۱۹۷۷/، ج:۲، ص:۲۷۸-۲۷۹۔

(12) ایضا، ص:۲۸۰

(13) محمد بن الباقی الزرقانی، شرح مواہب اللدنیہ، مطبعۃ الازہریۃ، مصر، ۱۳۲۵ھ، ج:۱، ص:۱۹۵

(14) سیرت ﷺ ابن اسحاق، ص:۶۸

(15) شرح مواہب اللدنیہ، ص:۱۹۵

(16) سیرت سرور عالم ﷺ، ج:۲، ص:۸۵

(17) شیخ محمد الغزالی، فقہ السیرۃ، مطبعۃ حسان، قاہرہ، ۱۹۷۶ء، ص:۶۸

(18) ایضا، ص:۶۹

(19) سیرۃ النبی ﷺ، ج:۱، ص:۱۲۸

(20) الایضا

(21) فقہ السیرۃ، ص:۶۹

(22) ایضا

(23) ڈاکٹر محمد سعید رمضان البوطی، فقہ السیرۃ النبویۃ ﷺ، دارالفکر المعاصر، بیروت لبنان، ۱۹۹۱ء، ص:۴۸

(24) قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری، رحمۃ للعالمین ﷺ، فرید بک ڈپو، دہلی، ۱۹۹۹ء، ج:۱، ص:۴۲

(25) ایضا

(26) ڈاکٹر محمد حمید اللہ، محمد رسول اللہ ﷺ، فرید بک ڈپو، دہلی، ۲۰۰۳ء، ص:۱۴-۱۵

(27) ڈاکٹر محمد حمید اللہ، پیغمبر اسلام ﷺ، ملی پبلیکیشنز، نئی دہلی، ۲۰۰۹ء، ص:۵۹-۶۰

(28) سیرۃ النبی ﷺ، ج:۳، ص:۳۶۲

٭ ٭ ٭

==